شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ
رحیمیہ
لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرَّہُ السّعید مسندنشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

دسمبر 2021ء / ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ • جلد نمبر 13، شمارہ نمبر 12 • قیمت: 20 روپے • سالانہ ممبرشپ: 200 روپے • تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

مجلسِ ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کی تربیت کے لیے میثاقِ تورات کا نزول
- آدابِ گفتگو
- حضرت اُمِ ایمن برکہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا
- پاکستانی سیاست میں شدت پسند جماعتوں کے اَسباب اور ان کا مستقبل!
- خُلقِ عدالت کے نتائج اور اُس کے حصول کا طریقہ
- شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ (2)
- معاشی کارکردگی اور مہنگائی
- عالمی سماجی ڈھانچے کا تقاضائے تشکیلِ نو
- قرآن حکیم کا بنیادی موضوع اور اس کے حقوق
- درست تلفظ کے ساتھ تلاوتِ قرآن حکیم کی اہمیت
- قرآنی احکام وعبادات اور تزکیۂ قلب واَخلاق کی اہمیت
- مسلمانوں کی قرآن سے غفلت اور سرمایہ داری کے ہلاکت خیز نتائج
- حضرت حاجی یعقوب علیؒ کا سانحۂ ارتحال
- ''حُجۃُ اللّٰہ البالِغہ'' کا مطالعہ ہر ایک طالبِ علم کے لیے لازم ہونا چاہیے!
- ادارہ رحیمیہ لاہور میں 17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشینِ ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

کسی صاحب نے بتایا کہ:

روسی سائنس دان مُردوں کو زندہ کرنے کے تجربات کر رہے ہیں۔ گو ابھی کامیابی نہیں ہوئی، مگر ہوسکتا ہے کہ کامیابی ہوجائے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ:

''مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ جب وہ چاہے گی، کامیابی ہوجائے گی۔ اور لوگ جو اعتراضات کرتے ہیں کہ: ''ہمارے پہلوں نے کوتاہی اور سستی کی، ورنہ یہ ایجادات کی ترقی وہ کرسکتے تھے۔''

اس پر ہم کہتے ہیں کہ:

''انسان کوشش کرتا ہے، مگر کامیابی مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے (اس کا مظہر دور کا تقاضا کہلاتا ہے)۔ اُس زمانے میں مشیتِ الٰہی نہ تھی۔ اب خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ یہ چیزیں بن جائیں''۔

(۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ / 9ر اگست 1946ء، مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 136، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

اِدارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ رجسٹرڈ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** الائیڈ بینک ٹیمپل روڈ برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0536**

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کی تربیت کے لیے میثاقِ تورات کا نزول

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾ (2-البقرہ:64-63)

(اور جب لیا ہم نے تم سے قرار، اور بلند کیا تمھارے اوپر کوہِ طور کو کہ پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے، اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے، تاکہ تم ڈرو۔ پھر تم پھر گئے اس کے بعد۔ سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہوتے۔)

گزشتہ آیت میں مسلمانوں، یہودیوں، عیسائیوں اور صائبین کے سامنے کل انسانیت کے فائدے کا ایک بین الاقوامی اُصول واضح کیا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ اور آخرت کے دن پر صدقِ دل سے ایمان رکھتے ہیں، اور اس کے مطابق صحیح طور پر عمل کرتے ہیں، وہی انسانیت کی قیادت کے اہل اور بڑے اَجر کے مستحق ہیں۔

اگلی آیات میں واضح کیا گیا کہ اس بین الاقوامی اُصول کی روشنی میں بنی اسرائیل کو توراتِ مقدس کی صورت میں ایک بہترین قانون اور نظام دیا گیا، جس پر عمل کر کے بنی اسرائیل عالمی اجتماعیت کی قیادت کی اہلیت حاصل کر سکتے تھے، لیکن اُن کی طرف سے اس اُصول کے عملی انکار اور تورات سے رُوگردانی کے سبب سے وہ کل انسانیت کی رہنمائی کے لیے نااہل ثابت ہوئے اور ایک محدود قومی دائرے میں محصور ہو کر رہ گئے۔

وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ: کسی بھی عملی نظم و نسق اور ملکی نظام کو چلانے کے لیے ایک معاہدۂ عمرانی اور میثاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل میں قومی ترقی اور بین الاقوامی رہنمائی کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے توراتِ مقدس کی صورت میں ایک معاہدۂ عمرانی اور میثاقِ الٰہی انھیں دیا گیا۔ جس کے بغیر ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کا کامل اور مکمل نظام بنی اسرائیل میں قائم نہیں ہو سکتا تھا۔

وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ: اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک سائبان کی طرح اُن پر طُور پہاڑ کو بلند کیا، تاکہ وہ اس قانونِ موسوی اور میثاقِ عمرانی کو خوب مضبوطی اور پوری ذمہ داری سے قبول کریں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو یہ پہاڑ اُن پر آ گرے گا۔ جیسا کہ اللہ پاک نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: ''اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ اُن کے اوپر مثل سائبان کے، اور ڈرے کہ وہ ان پر گرے گا''۔ (7-الاعراف:171)

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں: ''یہ شبہ کہ ''پہاڑ (اُن کے) سروں پر معلق کر کے (اُن سے) تسلیم کرانا تورات کا، یہ تو صریح اِجبار (اُن پر واضح طور پر جبر کرنا) اور اِکراہ (انھیں اس پر مجبور کرنا) ہے۔ جو آیتِ (قرآنی) ''لا اِکراہ فی الدّین'' (2-البقرہ:256) (دین میں جبر نہیں ہے) اور نیز قاعدۂ تکلیف (انسانوں کو شریعت کا پابند بنانے کے قاعدے) کے بالکل خلاف ہے۔ کیوں کہ بِنائے تکلیف (شریعت کی پابندی کی بنیاد) تو (انسانی) اختیار پر ہے۔ اور اِکراہ مناقضِ اختیار (کسی انسان کو مجبور کرنا اُس کے اختیار کے خلاف) ہے''۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ''اکراہ دربارۂ قبولِ دین (دین کے قبول کرنے کے بارے میں یہاں مجبور کرنا) ہرگز نہیں، دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کیے ہوئے تھے اور بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقاضا کرتے تھے کہ ''کوئی کتاب متضمّن احکام (احکاماتِ شریعت پر مشتمل کتاب) ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں'' اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب تورات ان کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمربستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقضِ عہد (معاہدے کے توڑنے) سے روکنے کے لیے تھا، نہ قبولِ دین کے لیے''۔

خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ: تورات کی صورت میں جو تمھیں میثاقِ عمرانی دیا گیا ہے، اس میں بیان کردہ دستور، آئین اور قانون کو پوری طاقت، قوت اور مضبوطی سے تھام لو۔ اس لیے کہ جب تک کوئی جماعت کسی قانون کی اصل شکل پر اُس کی پوری معنویت اور رُوح کے مطابق عمل نہ کرے، اُس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ قانون کی ظاہری شکل تبھی نتیجہ خیز ہوتی ہے، جب اُس کی اصل حکمت پوری طرح محفوظ رہے۔

وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ: جو کچھ اس آئین اور قانون میں ہے، اُسے اچھی طرح یاد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اس لیے کہ کسی قانون اور میثاقِ عمرانی کے ذیلی اور ضمنی قوانین (By Laws) بناتے وقت اصل قانون کی روح اور حکمت کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ تغیر پذیر حالات میں قانون پر عمل درآمد کے پروسیجرز طے کرتے وقت اصل قانون کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ہی اللہ کے ڈر اور خوف کی اساس پر انسانیت میں عدل و انصاف کا نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ: اس کے بعد انھوں نے اس میثاق اور معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ انھوں نے نہ صرف تورات کے اصل قوانین اور احکامات کو پسِ پشت ڈالا، بلکہ اُس میثاقِ عمرانی و الٰہی کے احکامات کی اصل روح اور حکمت تک کو ذاتی خواہشات اور گروہی مفادات کے ذریعے سے ختم کر کے رکھ دیا۔ تورات کے احکامات سے روگردانی کے حوالے سے آئندہ آیات میں تفصیلات آ رہی ہیں۔

فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ: بنی اسرائیل کی طرف سے اس تمام تر معاہدہ شکنی اور خلاف ورزی کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل اور رحمت کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام اور اُن کے حواریّین کے ذریعے سے ان کی تربیت کا سلسلہ جاری رکھا۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ: ''انھوں نے جب بھی صدقِ دل کے ساتھ تورات کی تعلیمات کی اطاعت اور فرماں برداری کی اور اُس کے احکامات کا نظام قائم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر برکات نازل کیں۔ اور جب بھی انھوں نے نافرمانی کی تو اللہ نے ان سے انتقام لیا۔ جب بھی ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو اُس سے نکلنے کا انھیں راستہ بھی دکھایا۔ اس طرح ان کی تربیت اور اہلیت پیدا کرنے کے لیے انبیا کے سچے حواریین اور متبعین کے ذریعے سیاستِ الٰہیہ کام کرتی رہی''۔ (تاویل الاحادیث) اگر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور رحمت نہ ہوتی تو بنی اسرائیل سرے سے خسارے اور گھاٹے میں رہتے۔

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

آدابِ گفتگو

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّهُ اسْتأذَنَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ؛ "إِئْذَنُوا لَهُ فَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيْرَةِ، أَوْ؛ بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ." فَلَمَّا دَخَلَ أَلَانَ لَهُ الْكَلَامَ، فَقُلْتُ؛ يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قُلْتَ مَا قُلْتَ ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي الْقَوْلِ؟ فَقَالَ "أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَاللّٰهِ مَنْ تَرَكَهُ، أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ." (الصحیح البخاری، حدیث 6131)

(حضرت عروہ بن زبیرؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے اندر آنے کی اجازت دے دو، یہ اپنی قوم کا انتہائی بُرا آدمی ہے۔'' جب وہ اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس کے ساتھ بڑی نرمی سے گفتگو فرمائی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس کے متعلق کیا فرمایا تھا، پھر اتنی نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہؓ! اللہ کے نزدیک مرتبے کے اعتبار سے بدترین شخص وہ ہے، جسے لوگ اس کی بدزبانی سے محفوظ رہنے کے لیے اسے چھوڑ دیں۔'')

داعیٔ دین کو حکمت (النحل: 125) کے اصول پر بات کہنی چاہیے۔ حکمت کا معنی ہے گفتگو کا ایسا اسلوب جو مدلل اور دل نشین ہو اور مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ کر کے بات کی جائے، جس سے اس کو اپنی غلط رائے اور رویے کو بدلنے میں آسانی ہو جائے۔ داعی کا فاتحانہ طرزِ عمل نقصان دہ ہوتا ہے۔ نبوی دعوت کا 'اُسلوب' انسان کو غور و فکر کے ذریعے ازخود فیصلہ کرنے کی راہ پر ڈالنا ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے کہا: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ (ایضاً) کہ مخالف کی بات سے اختلاف بھی اچھے طریقے سے کیا جائے۔

زیرِ غور حدیث کی روشنی میں آدابِ گفتگو واضح ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے آپؐ سے ملاقات کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ شخص مزاج کے اعتبار سے اپنے قبیلے کا بدترین آدمی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا ان کو اندر بلا لو۔ آپؐ ملاقات کے وقت ان سے بڑے اچھے طریقے سے بات چیت کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کے جانے کے بعد آپ ﷺ سے سوال کیا کہ ملاقات سے پہلے آپؐ نے اس کے بارے میں ناپسندیدگی کا اِظہار فرمایا تھا، لیکن ملاقات کے وقت اس کے ساتھ آپؐ کا سلوک بہت اچھا تھا۔ تو آپؐ نے جواب میں یہ بات ارشاد فرمائی: عائشہؓ! لوگوں میں بدترین شخص وہ ہوتا ہے، جس کی بدزبانی اور بدکلامی کی وَجہ سے لوگ اس سے بات چیت کرنے سے گریز کرنے لگ جائیں۔ اس ارشاد کے مطابق انسان کو دوسروں کے ساتھ گفتگو میں اچھے رویوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ خواہ دوسرے آدمی میں مزاج کی خامی ہی کیوں نہ ہو۔

بقیہ صفحہ 11 پر

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت اُم ایمن برکہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا

حضرت اُم ایمن برکہ بنتِ ثعلبہ حبشیہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس ﷺ کی والدۂ محترمہ حضرت آمنہؓ کی باندی تھیں۔ آپؐ اپنی والدہ کی وفات کے بعد ان کے وارث بنے۔ حضرت امام مسلمؒ اپنی کتاب میں ''فضائلِ اُمِّ ایمنؓ'' کا باب لائے ہیں، جس میں دو احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت اُم ایمنؓ نے بچپن میں آپؐ کی پرورش کی۔ آپؐ کی والدہ کی وفات کے 5 دن بعد وہ آپؐ کو مکہ مکرمہ واپس لائیں اور آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب کے سپرد کیا۔ اگر بھاگ جاتیں تو آزاد ہو جاتیں، مگر آپؓ نے وفاداری نبھائی۔ نبی اکرمؐ حضرت اُمِ ایمنؓ کو ''ماں'' کہہ کر پکارا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''ماں کے بعد ماں ہے''۔ نیز فرمایا: ''میرے اہلِ بیت میں سے بچی ہوئی خاتون ہیں''۔ آپؐ نے ان کو جنتی خاتون فرمایا ہے۔ آپؐ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد نبی اکرم ﷺ نے حضرت اُمِ ایمنؓ کو آزاد کر کے ان کا نکاح حضرت عبید بن زید حبشیؓ سے کر دیا۔ ان سے ایمنؓ پیدا ہوئے۔ حضرت عبیدؓ کے غزوۂ خیبر میں شہید ہونے کے بعد حضرت اُمِ ایمنؓ کا نکاح آپؐ نے حضرت زید بن حارثہؓ سے کر دیا، جن سے حضرت اُسامہؓ پیدا ہوئے۔

حضرت اُمِ ایمنؓ آپؐ کی والدہ حضرت آمنہؓ کا سفرِ مدینہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ جب آپؐ 6 سال کے تھے تو ایک ماہ کے قریب مدینہ میں ٹھہرے۔ جب بچوں کے ساتھ باہر کھیلنے جاتے تو یہود کے کچھ لوگ آتے اور آپ کو دیکھتے۔ ان میں سے ایک سے میں نے یہ کہتے ہوئے سنا: ''یہ اس امت کا نبی ہے اور مدینہ منورہ اس کی ہجرت کی جگہ ہے۔ یہاں زبردست جنگ ہوگی اور قیدی پکڑے جائیں گے''۔ میں نے یہ بات محفوظ کر لی''۔ حضرت اُمِ ایمنؓ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو پیدل اکیلے سفر کیا۔

غزوۂ خیبر کے بعد جب وسائل مہاجرین میں تقسیم کیے گئے تو مہاجرین کو انصار کی زمینیں اور باغ واپس کرنے کا کہا گیا تو سب نے واپس کر دیے، مگر حضرت اُمّ ایمنؓ نے انکار کر دیا، آپؐ نے ان پر اصرار نہیں فرمایا، بلکہ ان کو دُگنا مال دیا کہ پچھلا مال واپس کر دیں، مگر وہ راضی نہ ہوئیں تو آپؐ اَور بڑھاتے رہے۔ تقریباً جب دس گنا کر دیا، تب راضی ہوئیں اور وہ باغ حضرت انسؓ کی والدہ حضرت اُمّ سُلیمؓ کو واپس کر دیا گیا''۔ (سیرتِ حلبی)

اسی طرح حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دن آپ ﷺ نے پانی پیا تو حضرت اُم ایمنؓ پاس موجود تھیں۔ انھوں نے کہا: ''یا رسول اللہ! مجھے بھی پانی پلا دیجیے!'' تو میں نے کہا: اُمّ ایمن! یہ بات تم رسول اللہؐ سے کہہ رہی ہو؟! اس پر انھوں نے کہا: ''کیا میں نے اس سے زیادہ رسول اللہؐ کی خدمت نہیں کی!؟'' آپؐ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا''۔ اور اس کے بعد آپؐ نے ان کو پانی پلایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ حضرت اُمّ ایمنؓ کا بہت خیال رکھتے تھے اور انھیں بھی آپؐ کی محبت کی وجہ سے اپنے آپ پر ناز تھا''۔ حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کے بعد آپؓ دنیا سے رخصت ہوئیں۔

شذرات

پاکستانی سیاست میں شدت پسند جماعتوں کے اسباب اور ان کا مستقبل!

گزشتہ مہینے دھرنے کے لیے اسلام آباد کی طرف مارچ کرنے والی ایک مذہبی جماعت کے ساتھ حکومتی مذاکرات نے پاکستان میں مذہب کے نام پر سیاست کرنے والی جماعتوں کی سیاست اور اس کے پسِ پردہ محرکات پر غور و فکر کرنے کے اَسباب ایک بار پھر مہیا کیے ہیں۔ ہماری قومی تاریخ ایسے المیوں سے پُر ہے، جس میں ہم مثبت سمت آگے بڑھنے کے بجائے گزشتہ سات دہائیوں سے دائرے کا چکر کاٹ رہے ہیں۔

اس بار 'تحریک' سے مذاکرات کامیاب ہونے کے بعد ''گرفتار شدگان'' کی رہائی کا عمل بھی فوراً شروع کر دیا گیا تھا۔ محکمہ داخلہ پنجاب نے صوبے بھر میں ٹی ایل پی کے 1800 سے زائد ایسے افراد کو رہا کر دیا تھا۔ پھر گزشتہ ہفتے 18 ر نومبر کو حکومتِ پنجاب نے 'تحریک' کے سربراہ کو بھی رہا کر دیا ہے۔ حکومت نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ: 'تحریک' کے گرفتار افراد کو معاہدے کے تحت رہا کر کے معاہدے کے تمام نکات پر عمل کر دیا گیا ہے، بلکہ معاہدے کے تحت تحریک کا نام کالعدم تنظیم کی لسٹ سے نکال دیا گیا ہے اور کارکنوں کے نام فورتھ شیڈول سے بھی نکال دیے گئے ہیں۔

اس بار ریاست نے جس انداز سے معاملے کو ہینڈل کیا ہے، اس سے ریاست کی بے بسی عیاں ہے، بلکہ ایک ریاستی ذمہ دار وزیر (وفاقی وزیرِ اطلاعات و نشریات) کے اس بیان نے حقیقت کو مزید عیاں کر دیا ہے کہ: ''ٹی ایل پی کیس میں ریاست کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حکومت و ریاست انتہا پسندی سے لڑنے کے لیے مکمل تیار نہیں۔ ریاست کا کنٹرول ختم ہونے پر جتھے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ حکومتی رٹ ختم ہو گی تو انتہا پسند حاوی ہو جائیں گے''۔ ان کے بیان کے دوسرے حصے نے تو ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے'' والی صورتِ حال پیدا کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''انتہا پسندی کے ذمہ دار مدارس نہیں، اسکولز اور کالجز ہیں، جہاں 80، 90ء کی دہائی میں شدت پسند اساتذہ بھرتی کیے گئے''۔

یہ وہ صورتِ حال ہے، جس سے پاکستان میں شدت پسند جماعتوں کی پیدائش اور افزائش کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے ان جماعتوں کی کوئی سیاسی اور عوامی حیثیت نہیں ہوتی، بلکہ یہ جماعتیں ایوانوں سے زیادہ جلسوں کے میدانوں اور سڑکوں پر زیادہ سرگرم نظر آتی ہیں۔ اس لیے کسی قسم کی قانون سازی سے زیادہ ان کا زور احتجاجی سیاست پر ہوتا ہے اور وہ اقتدار کی ساز باز میں پریشر گروپ یا حکومتوں کے خلاف تحریکوں میں ایک عنصر کے طور پر موجود رہتی ہیں۔ ان کی مجمعوں اور جلسوں کی پاور اس شدت پسند مذہبی عنصر کے باعث ہوتی ہے، جن کی اکثریت مدارس کے طلبا اور اساتذہ پر مشتمل ہوتی ہے، جو مختلف علاقوں سے کسی ایک جگہ پر جمع ہو کر اپنا پاور شو کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ یہ جماعتیں ایسا کوئی ایجنڈا نہیں رکھتیں، جس سے پاکستان میں موجود حقیقی مسائل کے حل کی کوئی اُمید کی جا سکے۔ کسی بھی مذہبی پارٹی کو جب کسی بھی جزوی مسئلے کو ایشو بنا کر اسلام کے اجتماعی نظام سے پہلو تہی کرتے دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ یہ جماعت' اسلام کے جامع نظامِ فکر سے تہی دست ہے اور وقتی نعرے کے طور پر اسلام کے نام کو جذباتی طور پر استعمال کر کے کچھ مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرے گی، یا کسی اَور قوت کے حق میں استعمال ہو جائے گی۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

ان جماعتوں کا سب سے خوف ناک پہلو اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے انسانی لاشوں کو اپنی بیساکھیاں بنانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ جماعتیں جب سرگرم ہوتی اور سڑکوں پر نکلتی ہیں تو انھیں اپنے وجود کو منوانے کے لیے چند لاشوں کی ضرورت ہوتی ہے، جن کا پہلے ہی مرحلے میں اہتمام کر کے اپنی طاقت کو منوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان تحریکوں کو اگر خونی تحریکیں کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ کیوں کہ جب بھی یہ شروع ہوئی ہیں تو انسانی جانوں سے انھوں نے اپنی بھوک مٹائی ہے۔

ایسی جماعتوں کی عمر جامع نصب العین نہ ہونے کے باعث زیادہ لمبی نہیں ہوتی۔ ایسی جماعتوں کی طاقت وقتی ہجوم اور سودے بازی کی قوت ہوتی ہے، جس کے باعث وہ اقتدار میں موجود قوت کو مصروف (Engage) رکھتی ہیں۔ جیسے ہی ان کی پشت پر موجود ہجوم کا زور ٹوٹتا ہے یا توڑ دیا جاتا ہے تو ان کا وجود بھی بکھر کر رہ جاتا ہے۔ حکومتیں کبھی بھی ایسی تحریکات کو سنجیدہ نہیں لیتیں، بلکہ وہ انھیں ایک عارضی اور ہنگامی صورتِ حال کے طور پر ڈیل کرتی ہیں۔ ان کے اور ریاست کے درمیان معاہدات کا کوئی مستقل میکنزم طے نہیں ہوتا، اس لیے کہ جو معاہدے بنیادی اجتماعی تقاضوں کے منافی ہوتے ہیں، اُن کے نتیجے میں اعتماد کی روح کسی صورت برقرار نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کے ساتھ موجودہ حکومت سمیت ریاست کئی ایک معاہدے کر چکی ہے، لیکن کوئی معاہدہ بھی ریاست اور تحریک کے درمیان اعتماد کی مستقل فضا قائم نہیں کر سکا۔

آج ہمیں ان اسباب پر غور کرنے کی ضرورت ہے، جن کے باعث ہمارے ہاں ایسی شدت پسند مذہبی تحریکات پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان جماعتوں کا اُبھار اس بات کو تقویت بخشتا ہے کہ معاشرے میں اعتدال پسند سیاسی قوتوں کا زوال ایک یقینی امر کے طور پر اب تسلیم کر لیا جانا چاہیے، جس کے سبب انتہا پسندانہ رُجحانات پروان چڑھ رہے ہیں۔ ان رُجحانات کو کیش کرانے کے لیے یہاں پر مسلط نظام انھیں اپنے مقاصد کے لیے ایک شناخت دیتا ہے، جماعت یا تحریک کا عنوان دے کر سپرد شدہ کام لیتا ہے۔

اس کی ایک وجہ دین بے زار مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی وہ مکاری ہے، جس میں وہ مذہبی مُسلّمات کے احترام کے بجائے اپنے ہاں ایسے عناصر کی سرپرستی کرتا ہے، جو دینی مُسلّمات کا مذاق اڑا کر عوام کے مذہبی جذبات کو مشتعل کر کے مسلمان ملکوں میں عدمِ استحکام کی راہ ہموار کرتا ہے۔ جس کے سبب عوام ایسی جماعتوں کے مذہبی نعروں کے زیرِ سایہ ذہنی اطمینان محسوس کرتے ہیں۔

بقیہ: صفحہ 12 پر

خُلقِ عدالت کے نتائج اور اُس کے حصول کا طریقہ

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّةُ اللّٰهِ البالِغه'' میں فرماتے ہیں:

[اچھے اعمال کرنے والوں کے لیے اچھے نتائج]

''پس جو لوگ (خُلقِ عدالت سے پھوٹنے والے) اچھے اعمال کریں گے تو اللہ کی رحمت اور فرشتوں کی دعائیں اُن کے شاملِ حال ہو جاتی ہیں۔ خواہ اُنھیں اس کا پورے طور پر اِدراک ہو یا نہ ہو۔ یہ رحمت اور دعائیں اُن لوگوں کو لطیف نورانی پردوں کی صورت گھیر لیتی ہیں، جیسا کہ سورج اور چاند سے پھوٹنے والی شعاعیں انسان کو گھیرے ہوتی ہیں۔ اس طرح انسانوں اور فرشتوں کے دلوں میں یہ الہام اور خیالات پیدا ہوتے ہیں کہ لوگ اُس عادل انسان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ اس طرح عادلانہ نظام قائم کرنے والوں کے لیے آسمانوں اور زمینوں میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔

خُلقِ عدالت کی بنیاد پر اچھے اعمال کرنے والا انسان جب اس مادی عالَم سے نکل کر اگلے جہان میں پہنچتا ہے تو اُسے اُن نورانی شعاعوں کا پورا اِحساس ہوتا ہے، جو اُس کے چاروں طرف اُس کے وجود سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔ وہ اُن سے لذت حاصل کرتا ہے اور وہ وہاں کی زندگی میں اُس کے لیے فراخی اور قبولیت پیدا ہوتی ہے۔ اُس کے درمیان اور فرشتوں کے درمیان ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

[ظالمانہ اعمال کرنے والوں کے بُرے نتائج]

جو آدمی فساد پیدا کرنے والے اعمال کرتا ہے تو اللہ کا غضب اور فرشتوں کی لعنت اس کے شاملِ حال ہوتی ہے۔ اس طرح اندھیروں کے ایسے پردے اُسے گھیر لیتے ہیں، جو غضبِ الٰہی سے پھوٹتے ہیں۔ ملاءِ سافل کے فرشتوں اور دیگر لوگوں کے دلوں میں ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے اللہ کے غضب اور لعنت کی صورت میں یہ خیال اور اِلہام ڈالتے ہیں کہ اُس مغضوب اور ملعون انسان کے ساتھ تمام لوگ بُرا سلوک کریں۔ اس طرح اُس سے آسمانوں اور زمینوں میں بغض اور نفرت پیدا کر دی جاتی ہے۔

ایسا ظالم اور فسادی آدمی جب اس دنیا سے اگلے جہان میں جاتا ہے تو اُسے پوری طرح یہ احساس ہو جاتا ہے کہ یہ غضبِ الٰہی اور لعنت کے اندھیرے پردے اُسے کاٹ کھا رہے ہیں۔ اُن کے ذریعے سے اُس کی جان تکلیف میں مبتلا ہوتی ہے۔ وہ وہاں بہت تنگی اور نفرت پاتا ہے۔ اور یہ نفرت اُس کو چاروں طرف سے گھیر لیتی ہے۔ اس پر ہر طرح سے آخرت کی زندگی تنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔

[خُلقِ عدالت کی اقسام اور اُن کے نام]

(1) خُلقِ عدالت کا تعلق جب انسان کی جسمانی وضع قطع، یعنی اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے اور گفتگو کرنے، بالوں اور لباس کو سنبھالنے اور شکل وصورت میں ہو تو اسے ''ادب'' کہا جاتا ہے۔ (ایسا آدمی اچھے آداب کا حامل ہوتا ہے۔)

(2) جب عدل کا تعلق مالی معاملات کے ساتھ ہو، یعنی مال جمع کرنے اور اُس کے خرچ کرنے میں اُس کے اَخلاق عادلانہ ہوں تو اسے ''کفایت شعاری'' کہا جاتا ہے۔

(3) جب خُلقِ عدالت کا تعلق (خود مختار اور آزاد معیشت کے ساتھ) گھریلو اور خاندانی نظم ونسق قائم کرنے سے ہو تو اسے ''حُرِّیّت'' کہا جاتا ہے۔

(4) جب خُلقِ عدالت کا تعلق کسی مملکت اور ریاست کے نظم ونسق چلانے سے ہو تو اُسے ''سیاست'' کہا جاتا ہے۔

(5) جب خُلقِ عدالت کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ خیر خواہی اور دل جوئی کا ہو تو اُسے ''حُسنُ المحاضره'' (اچھی معاشرت) کہا جاتا ہے۔

[خُلقِ عدالت حاصل کرنے کا بہترین طریق]

خُلقِ عدالت کو حاصل کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ انسان میں رحمت اور شفقت کا مادہ ہو۔ وہ انسانوں سے محبت کرے اور اُن کے لیے دل میں نرمی ہو۔ دلی سختی اور تنگی نہ ہو۔ ان تمام اُمور کے ساتھ ساتھ وہ اجتماعیت کے فائدے کے لیے افکارِ کلیہ اور اجتماعی سوچ اور فکر کا حامل ہو۔ انسانی معاملات کے انجام اور نتائج پر اُس کی گہری نظر ہو۔

[خُلقِ سماحت اور خُلقِ عدالت کا باہمی تعلق]

خُلقِ سماحت اور خُلقِ عدالت' ایک پہلو سے ایک دوسرے کی ضد محسوس ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اکثر انسانوں کے لیے:

☆ خُلقِ سماحت کے سبب اپنے دلوں کا عالمِ بالا کی طرف میلان اور توجہ رکھنا
☆ اور خُلقِ عدالت کے سبب انسانوں سے شفقت ورحمت اور محبت کا تعلق رکھنا

بالکل ایک دوسرے کے مخالف سمت میں چلنا ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ لوگ جن کی ملکیت اور بہیمیت میں ایک دوسرے کے ساتھ تجاذُب (کھینچا تانی) ہوتی ہے۔

اسی لیے تم نے (ملکیتِ عالیہ رکھنے والے) اکثر اولیاء اللہ کو دیکھا ہوگا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ لوگوں سے اپنا رشتہ سِرے سے منقطع کر لیتے ہیں اور بیوی بچوں اور اولاد اور دیگر لوگوں سے بہت دُور رہتے ہیں۔

جب کہ (بہیمیتِ شدیدہ رکھنے والے) عام لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ اُن کو اُن کی بیویاں اور اُن کی اولاد اور دیگر دنیاوی معاملات گھیرے رکھتے ہیں، یہاں تک کہ یہ تمام چیزیں انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیتی ہیں۔

حضرت انبیا علیہم السلام کا اصل طریقہ یہ ہے کہ وہ ان دونوں اَخلاق کی مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے احکامات دیتے ہیں۔ اسی لیے انبیا علیہم السلام نے اپنی تعلیمات کو کثرت سے (قانونی نظام میں) منضبط کر کے پیش کیا ہے اور ان دونوں اَخلاق کے ظاہری تضاد کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو ایک دوسرے سے جدا کر کے انسانوں کی ترقی کے لیے نظامِ فکر وعمل طے کیا ہے''۔ (جاری ہے)

(من أبواب الإحسان، باب(1): علمُ الشّرائع و الإحسان)

تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

اَندلس کے علما و سائنس دان

شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ 2

شیخ ابنِ عربیؒ نے اہلِ علم سے استفادے کے لیے بہت سے ممالک کا سفر کیا۔ ۵۹۰ھ/1193ء میں آپؒ نے شمالی افریقا کے ملک تیونس کا سفر کیا اور وہاں کے مشہور عالم اور صوفی بزرگ ابوالقاسم بن قسی سے کسبِ فیض کیا۔ وہیں پر آپؒ نے اَندلُس کے صوفیا کے حالات پر مشتمل کتاب ''روح القدس'' لکھی، جس میں تقریباً پچپن صوفیائے کرام کے حالات کا تذکرہ ہے، جن کے ساتھ آپؒ کا رابطہ رہا اور اُن کی مجالس میں بیٹھے۔

تیونس سے آپؒ نے مکہ جانے کا ارادہ کیا اور بہ راستہ فلسطین عازمِ سفر ہوئے۔ مکہ آپؒ کے نزدیک عالمِ غیب اور عالمِ شہود کا مقامِ اتصال ہے۔ یہیں پر آپؒ نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''الفتوحات المکّیة فی معرفة المالکیّة و الملکیّة'' لکھنے کا آغاز کیا، یعنی مکہ کے روحانی خزائن تک رسائی اور اس کے سربستہ رازوں کو منکشف کرنا۔ ۵۹۹ھ/1202ء میں کتاب لکھنا شروع کی اور ۶۲۷ھ/1230ء میں اس کی تکمیل ہوئی، بلکہ ۶۵۵ھ/1257ء تک اس میں اضافے کیے گئے۔ ''فتوحاتِ مکیہ'' ابنِ عربیؒ کے افکار اور ان کی تحقیقات کا نچوڑ سمجھی جاتی ہے۔ شیخؒ خود اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''اس کتاب میں مَیں نے زیادہ تر وہ باتیں بیان کی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف یا اس کے پاس بیٹھنے سے مجھ پر منکشف کیں''۔ ان کی تحریروں میں گہری بصیرت اور رَمزیت کا ایک جہاں معنی پوشیدہ ہے۔ ''فتوحاتِ مکیہ'' ایک ضخیم کتاب ہے، جو 7 جلدوں، 560 ابواب اور 15 ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اس کتاب کا خلاصہ لکھا اور پھر خلاصے کا خلاصہ ''الکبریت الأحمر فی بیان علوم الشّیخ الأکبر'' تحریر کیا۔ شیخ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ: ''مجھے ''فتوحاتِ مکیہ'' کے کچھ ابواب کے مضامین میں تردّد ہوا۔ تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ وہ شیخ کے کلام میں الحاق کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ابنِ عربیؒ کے کچھ مخالفین نے شیخؒ کی طرف بہت سی باتیں منسوب کر کے ان کو مطعون کرنے کی کوشش کی ہے، جو حقیقت میں ان کی نہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے شیخ ابنِ عربیؒ پر لگائے گئے الزامات کا اپنی ایک کتاب ''التّنبیه الغبي فی برِیّة ابن العربی'' میں جواب دیا ہے۔ اسی طرح ماضی قریب میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ابنِ عربیؒ کی برأت میں کتاب ''التّنبیه الطّربی فی تنزیة ابن العربی'' لکھی۔ تحقیق و جستجو کے حوالے سے ان کی ملاقات ارسطو کے شارح و مترجم اور مشہور فلسفی ابنِ رُشدؒ کے ساتھ بھی ہوئی۔ ''فتوحاتِ مکیہ'' میں اس ملاقات کا تفصیلی حال درج ہے۔ یہ ملاقات اس وقت ہوئی، جب ابنِ رُشدؒ فکر کی بلندیوں پر پرواز کر رہے تھے اور شیخ ابنِ عربیؒ عالمِ روحانی اور مشاہدۂ تجلیات کی منازل طے کر رہے تھے۔ مکہ مکرمہ میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔ شیخ سہروردیؒ سے ان کے شاگردوں نے ابنِ عربیؒ کے بارے میں پوچھا کہ آپ نے انھیں کیسا پایا؟ تو آپؒ نے کہا کہ: ''وہ ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں''۔

بقیہ صفحہ 11 پر

ملکی معیشت

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

معاشی کارکردگی اور مہنگائی

موجودہ مالی سال کی پہلی سہ ماہی میں پاکستان میں کام کرنے والی ایک سو بہترین کمپنیوں نے تقریباً اڑھائی سو اَرب روپے کے منافع کا اعلان کیا ہے۔ ایک سال میں یہی منافع ایک ہزار اَرب سے بھی تجاوز کر سکتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ پیٹرولیم، سیمنٹ اور ٹیکسٹائل سے متعلق شعبوں میں غیر معمولی بڑھوتری ہے۔ اس کے علاوہ بینکنگ اور انرجی کے سیکٹرز نے بھی روایتی منافع کمایا ہے، جس میں بینکوں کا حصہ 66 ارب روپے ہے۔ یہ کہانی تو صرف ایک سو بہترین کمپنیوں کی ہے۔ اس کے علاوہ اسی مدت کے دوران صنعتی شعبے میں مجموعی طور پر 12.74 فی صد اضافہ ریکارڈ کیا جا چکا ہے۔ برآمدات اور ترسیلاتِ زر بدستور تین تین ارب ڈالر ماہانہ سے زائد ریکارڈ ہو رہی ہیں۔ اور سب سے اہم ٹیکس وصولی نے بھی گزشتہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ اگر پاکستان معاشی بحران کا شکار ہے تو یہ زائد وصولیوں اور بے پناہ منافع کا کیا مطلب ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ پاکستان کی معیشت کو جن خطوط پر استوار کیا گیا ہے، وہاں خوش حالی اور عافیت میں عام عوام کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے۔ مندرجہ بالا اعشاریے حقیقت پر مبنی ہیں، لیکن ان سے پیدا ہونے والی دولت طاقت ور سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور افسرشاہی کے پاس ہی پہنچ جاتی ہے۔ برصغیر کی آزادی کے وقت یہاں 565 چھوٹی بڑی ریاستیں موجود تھیں۔ ان کے راجے مہاراجے، نواب اور خان بہادر دراصل انگریزوں کو بھی خراج دیتے تھے اور خود بھی رعایا سے کمائے ہوئے مال سے زندگی کی ضروریات اور عیاشی کیا کرتے تھے۔ پھر ان نوابوں سے ہماری جان چھڑا دی گئی اور ہمیں نئی قسم کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا۔ اب 565 نہیں، بلکہ سینکڑوں محکموں کے بیسیوں ہزاروں عُمّال ان نوابوں کی جگہ لے چکے ہیں۔ جہاں ایک کلرک سے لے کر ایک افسر تک لوٹ کھسوٹ کا ایک مربوط نظام پیدا کر دیا گیا ہے، جس میں ہزاروں نوابوں اور ان کی اَن گنت اولادوں کی روزمرہ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے پوری قوم دن رات کام کر رہی ہے۔

چناں چہ ہمارے تجربے میں آتا ہے کہ بڑے بڑے شہروں میں شاپنگ مال خریداروں سے بھرے پڑے ہیں اور دن رات معاشی سرگرمیاں جاری و ساری ہیں، لیکن عام پاکستانی اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے دربدر ہے۔ معاشی ترقی کے اعشاریے کچھ اَور خبر دے رہے ہیں اور ایک عام انسان کے لیے کسبِ معاش دن بہ دن مشکل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بڑی کمپنیوں کا منافع بھی تو عام عوام کی جیبوں سے نکلا ہے اور حکومت کی ریکارڈ توڑ ٹیکس وصولی بھی عوام کی جیبوں سے ہوئی ہے۔ اس دولت کو پاکستانیوں کے مفاد میں کیسے استعمال کیا جائے؟ اور اسے کیسے مہنگائی کے عذاب سے چھٹکارا دلایا جائے؟ اس کے لیے عالمی مہنگائی کی لہر کو گزرنے دیں۔ اس کے بعد ایک نیا جال بُن لیا جائے گا۔

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

عالمی سماجی ڈھانچے کا تقاضائے تشکیلِ نو

اقوامِ متحدہ نے دنیا کے ممالک کو معاشی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے؛ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر۔ معیار کے پیمانے کے طور پر جی ڈی پی، جی این پی، فی کس آمدنی، صنعتی ڈھانچہ، معیارِ زندگی کو جانچنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ ایچ ڈی آئی (HDI) یعنی ہیومین ڈویلپمنٹ انڈیکس (Human Development Index) کے مطابق وہ ممالک جو صحت منداور محفوظ ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہوں، بچوں کی فلاح و بہبود، نقل وحمل، مواصلات، تعلیمی سہولیات، بہتر رہائش اور رہائشی ماحول، صنعتی بنیادی ڈھانچہ، ٹیکنیکل ترقی، شخصی آمدنی میں اضافہ اور مستقبل میں شرح آمدنی میں اضافے کی توقعات کے حامل ممالک کو ''ترقی یافتہ'' کہا گیا ہے۔ مزید یہ کہ ایسے ممالک صنعتی شعبے سے خدمات کے مقابلے میں زیادہ آمدنی حاصل کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں اقوامِ متحدہ نے آسٹریلیا، کینیڈا، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، ناروے، سویڈن، سوئٹزرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ کو شامل کیا ہے۔

اس کے برعکس وہ ممالک جو صحت منداور محفوظ ماحول سے محروم ہوں، کم آمدنی کی حامل گھریلو زندگی، ناخواندگی، ناقص تعلیمی ماحول، نقل وحمل، مواصلات، طبی سہولیات، غیر مستحکم سرکاری قرض، غیر مساوی تقسیمِ آمدنی، شرحِ اموات، شرحِ پیدائش، ماں اور نوزائیدہ بچوں میں غذائیت کی کمی کے باعث بچوں کی شرحِ اموات میں اضافہ، بے روزگاری، غربت، غیر مستحکم قیمتوں جیسے مسائل سے دوچار ہوں، انھیں ''ترقی پذیر'' ممالک کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ کولمبیا، ہندوستان، کینیا، پاکستان، سری لنکا، تھائی لینڈ اور ترکی وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ 50 ملکوں کے سربراہوں نے امریکی ریاست سان فرانسسکو میں اس معاہدے پر دستخط کرنے سے اقوامِ متحدہ کے تحت بننے والے تمام ادارے اپنے چارٹر کے مطابق 24/ اکتوبر 1945ء سے قابلِ عمل ہوگئے تھے۔

اس وقت دنیا کے ملکوں کی کل تعداد 206 ہے۔ 2 ریاستیں ایسی ہیں، جو اقوامِ متحدہ کی رکن نہیں ہیں؛ کوسووا اور ویٹی کن۔ تائیوان کو چین سے علاحدہ حیثیت حاصل ہے۔ بعض ریاستیں غیر متعین حیثیت میں شمار ہوتی ہیں، ان کی تعداد 11 ہے۔ یوں ایسے ممالک کی کل تعداد 193 ہے۔ لیکن اگر ہم ممالک کے بارے میں بات کریں اور اس تصور میں غیر تسلیم شدہ اور متنازعہ علاقوں کو بھی شامل کرلیں تو یہ تعداد 262 تک پہنچ سکتی ہے۔ ان تمام ممالک کے تعاون سے جو عالمی سماجی ڈھانچہ تشکیل دیا گیا ہے، اس میں عالمی سلامتی کے ضامن فورم کے مستقل ارکان کی تعداد صرف 5 ہے۔ یہی پانچ ممالک دنیا کے رُجحانات کا تعین کرتے ہیں۔ انھیں کی اتباع میں مقامی ملکوں کے سماجی ڈھانچے بھی انھی خطوط کا عکس ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قومی وسائل پر ایک مخصوص طبقہ قابض ہے، جس نے نظام چلانے کے لیے جو انتظامیہ تشکیل دی، اس کا مزاج متکبرانہ ہے۔ وہ عوام کو کیڑے مکوڑوں سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ عوام کے حقوق ادا نہیں کرسکتے۔ تکبر اور تحکمانہ رویہ ہی ان کا طرزِ حکمرانی ہے۔ اگر عوام کو قریب کریں گے تو ان کے حقوق ادا کرنے پڑیں گے، جس کے لیے وسائل درکار ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سماجی ڈھانچے کو توڑے بغیر عوام کے مسائل حل ہونا مشکل ہی نہیں، بلکہ ناممکن ہیں۔

گویا آج کے عالمی سماجی ڈھانچے کے تحت کروڑوں عوام محنت کرتے ہیں، جب کہ نتائج چند خاندانوں کی تجوریوں میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ محنت کشوں کا چھپر خالی کا خالی ہی رہتا ہے۔ عجیب فلسفہ ہے کہ ایک انسان جیسے جیسے محنت کرتا ہے، ویسے ویسے قلاش ہوتا جاتا ہے۔ سماجی نظام اسے تحفظ دینے کے بجائے اس کی چھت چھین لیتا ہے۔ یہی طرزِ عمل اقوامِ متحدہ کے عملی نظام میں دکھائی دیتا ہے۔ دنیا کے 193 ممالک محنت کرنے کے باوجود اپنی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔ انھیں ''ترقی پذیر'' کہہ کر سُلا دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس دنیا کے جی سیون (G-7) یعنی سات بڑے ممالک ان کی محنتوں کے نتائج مسلسل چُرا رہے ہیں، جب کہ ان کے اس طرزِ عمل پر دنیا میں ان کی مذمت ہوتی، اُلٹا انھیں ''ترقی یافتہ'' کہہ کر مطمئن کردیا جاتا ہے۔ یہ ظلم ہے۔

اسلام نے چودہ سو برس پہلے ایک ایسا عالمی نظام تشکیل دیا، جو محنت کرنے والے کا گھر اس کے ثمرات سے بھر دیتا تھا۔ ریاستی ڈھانچہ عوام پر قہرِ مذلت بن کر نہیں گرتا تھا۔ عام آدمی کے حقوق محفوظ تھے۔ کیوں کہ عوام کے حقوق کی حفاظت کرنے والے دن رات ان کی خبر گیری کیا کرتے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ: ''ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے گھر کی طرف جارہا تھا۔ راستے میں ایک بدّو ملا اور اس نے آپؐ کی چادر آپؐ کے سر سے زور سے کھینچی، یہاں تک کہ آپؐ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ قریب تھا کہ آپؐ کا سر مبارک دیوار سے جالگے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تیرا جو مطلب ہے، وہ کہہ''، اس نے کہا کہ: میرے دونوں اونٹ غلے سے بھر دے۔ اس واسطے کہ جو تیرے پاس مال ہے، وہ اللہ کا ہے۔ کچھ تیرا اور تیرے باپ کا نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تُو سچ کہتا ہے۔ یہ مال حق تعالیٰ کا ہے۔ میرا اور میرے باپ کا نہیں ہے، لیکن یہ جو میری چادر تُو نے زور سے کھینچی اور مجھ کو رنج پہنچایا، یہ تو میرا حق ہے۔ اس کا عوض تو میں تجھ سے لوں گا''۔ اس نے کہا کہ میں ہرگز اس کا عوض نہ دوں گا۔ آپؐ یہ کلمہ فرماتے تھے اور نہایت خوشی سے مسکراتے جاتے تھے اور وہ بھی جواب دیتا جاتا تھا۔ جب اسی گفتگو میں تھوڑی دیر گزری، تب آپؐ نے ایک شخص کو بلا کر فرمایا: ''اس کے ایک اونٹ پر کھجور اور دوسرے اونٹ پر جَو بھر کے اس کے حوالے کرو''۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد دوم، ص 685)۔ آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں ایسا شان دار سماجی ڈھانچہ قائم کیا گیا، جس نے ایک عام انسان کو اتنا طاقت ور اور بے باک بنادیا تھا کہ وہ سربراہِ ریاست کے سامنے اپنی حاجات بیان کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔ پھر یہی نہیں کہ محض حاجات ہی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہو، بلکہ ان کی تکمیل بھی بروقت کی جاتی تھی۔ اَخلاقیات کی بلندی کا یہ عالَم محض افسانہ دکھائی دیتا ہے۔ کیوں کہ انسانی تاریخ ایسے عجائبات سے بالکل نابلد ہے۔ یہ ایک سچائی اور اٹل حقیقت ہے۔

بقیہ صفحہ 11 پر

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

قرآن حکیم کا بنیادی موضوع اور اس کے حقوق

12/ نومبر 2021ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے جامعہ خدیجۃ الکبریٰ بورے والا میں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! کتابِ مقدس قرآن حکیم کا بنیادی موضوع کل انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔ اللہ کی اس پاک کتاب کا مخاطب ہر انسان ہے۔ اس انسان کی اصل انسانیت کو اُبھارنے کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیاب بنانے کے لیے یہ کتاب نازل کی گئی۔ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: ہم نے اس کتابِ مقدس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ (17- بنی اسرائیل: 105) یہ حق باتیں بیان کرتی ہے۔ سچائی پر مشتمل بنیادی حقائق، انسانیت کی بھلائی کے بنیادی حقیقی اُصول یہ کتابِ مقدس قرآن حکیم بیان کرتی ہے۔ اس کے نزول کا ایک ہی مقصد ہے کہ انسانیت کو سچی اور کھری باتیں بتلائی جائیں۔

اس کتاب کا پہلا اور بنیادی حق یہ ہے کہ اس کو پوری ترتیب کے ساتھ پڑھا جائے۔ تجوید و قرأت کا لحاظ رکھ کر اس کی تلاوت کی جائے۔ بالخصوص ہر مسلمان جو نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لایا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ قرآن حکیم کی تلاوت کو صحیح مخارج اور صفات کے ساتھ پڑھنے کی استعداد اور صلاحیت پیدا کرے۔ قرآن حکیم کے حوالے سے دوسری ذمہ داری جو ہم پر عائد ہوتی ہے، وہ اس کا معنی اور مطلب سمجھنا ہے کہ کتابِ مقدس قرآن حکیم ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے؟ ہمیں کن باتوں کا حکم دیتی ہے؟ کون سے اُصول اور ضابطے بتلاتی ہے کہ جس کی روشنی میں ہمیں اپنی زندگی کی تعمیل کرنی چاہیے۔

تیسری بڑی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ کتابِ مقدس قرآن حکیم کے اُصول اور ضابطے معلوم کر لینے اور اس کا مطلب اور مفہوم سمجھ لینے کے بعد پھر اس کا عملی نظام قائم کرنا۔ اپنے اعمال کو اس کے مطابق اُستوار کرنا۔ یہ بھی مسلمان جماعت کی بنیادی ضرورت ہے کہ جب ہم ایک کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، نبی اکرمؐ کو برحق سمجھتے ہیں۔ آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب کو حقانی کتاب مانتے ہیں، تو اُس حق کے مطابق حقانی نظام کا قائم ہونا، اجتماعی معاملات کا طے ہونا، سیاسی، معاشی اور سماجی اُمور کا سرانجام پانا، یہ بھی تو لازمی ہے۔ اور یہ اُس وقت تک نہیں ہوگا، جب تک کہ ایک چوتھا کام نہ ہو۔ چوتھا کام یہ ہے کہ قرآن حکیم کے احکامات اور اس کے اساسی اُمور کے مطابق افراد کی تربیت کرنا، تزکیہ کرنا، اُن کے دلوں سے حسد، کینہ، بغض اور ناحق رویوں کو نکالنا اور حقانی اَخلاق کو اُن کے دلوں میں منتقل کرنا، جسے اصطلاح میں ''طریقت'' کہا جاتا ہے۔ جب تک تزکیہ نہ ہو، پاکیزگیٔ اَخلاق نہ ہو، صحیح معیار پر کام کرنے کی صلاحیت اور استعداد پیدا نہ ہو، تو بہ حیثیت مجموعی سوسائٹی ترقی نہیں کر سکتی۔ مدارس و مکاتب کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ مسلمانوں میں قرآن حکیم سے متعلق یہ چار اُمور پیدا کریں''۔

درست تلفظ کے ساتھ تلاوتِ قرآن حکیم کی اہمیت

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''آج ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ قرآن حکیم پر جو ذمہ داریاں ہم عائد کر رہا ہے، اُن کو ہم نے کہاں تک نبھایا ہے۔ کہاں تک اُن کا صحیح حق ادا کیا ہے۔ کوتاہی اور کمزوری موجود ہے تو اُسے دور کرنے کی فکر کرنا چاہیے۔ اس حوالے سے پہلی کمی اور کوتاہی تو یہ ہے کہ عام مسلمانوں کی اکثریت قرآن حکیم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کی صلاحیت سے بھی مجموعی طور پر دور جا چکی ہے۔ یہ بڑی فکر کی بات ہے کہ جس کتاب پر ہمارا ایمان ہے، اُس کو صحیح طور پر پڑھنے کی استطاعت اور صلاحیت سے بھی ہم محروم ہو گئے ہوں۔

صحیح طور پر پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ دنیا کی کسی بھی زبان کو اگر پورے تلفظ کے ساتھ نہ پڑھا جائے تو معنی اور مطلب کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ دنیا بھر کی زبانوں میں قومہ فل سٹاپ کا بہت لحاظ رکھا جاتا ہے۔ فل سٹاپ غلط جگہ پر لگا ہوا ہو تو اُسی عبارت کا کوئی اَور مطلب ہوتا ہے۔ قومہ کہیں اَور لگا لو تو مطلب کچھ اَور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم میں زیر زبر کے فرق سے لفظ کی معنویت ہی بدل جاتی ہے۔ صحیح مخرج کے ساتھ لفظ نہ پڑھا جائے اور وقف صحیح جگہ نہ کیا جائے تو اُس کا مطلب ہی بدل جاتا ہے۔

قرآن حکیم کو ذمہ داری کے ساتھ پڑھنے پڑھانے والے مدارس اور مکاتب کی اہمیت بھی اس لیے ہے کہ وہ قرآن حکیم کو صحیح تلفظ اور قرأت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا طریقہ سکھاتے ہیں۔ مدارس و مکاتب میں بغیر کسی معاوضے کے تعلیم و تربیت کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ قرآن حکیم کے حوالے سے مدارس و مکاتب کے اس نظام سے استفادہ کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے ہر مسلمان کو، چاہے وہ بچہ ہو یا بوڑھا ہو چکا ہو، اگر بالفرض اس کا تلفظ صحیح نہیں ہے، تو اس کو کچھ وقت نکال کر ان مکاتب اور مدارس میں اپنے تلفظ کو صحیح کرنا چاہیے۔ پھر قرأت بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی خوش اِلحانی سے گا گا کر پڑھے تو بڑا اچھا قاری ہے۔ قرأت کا مطلب گانے اور دل کو پرچانے کے ساتھ نہیں ہے۔ قرأت کا تعلق تو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے سے ہے۔ آوازوں کا زیر و بم تو تحسینات میں سے ہے۔ ہو جائے تو اچھی بات ہے، نہیں تو نہیں۔ لیکن جو فرض ہے، وہ مخارج اور صفات کا لحاظ کر کے صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا پڑھانا ہے۔ یہ ہمارے لیے ضروری ہے۔

قرآن حکیم کو صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کی عادت بنانی چاہیے۔ سیکھ لینے کے بعد پھر روزانہ قرآن حکیم کی کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کی جائے۔ ایک رکوع ہو، دو رکوع ہوں، چار رکوع ہوں، جتنا بھی اللہ توفیق دے، تاکہ وہ عادت برقرار رہے۔ اگر عادت چھوٹ جاتی ہے تو پھر انسان وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔ آپ کو اگر صحیح طریقے سے تلاوت آ گئی تو اب اگلے مرحلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم کے شرعی احکامات سیکھنے کا شوق اور جذبہ ہو، خود سیکھیں۔ اس علم کی اہمیت سمجھیں۔ اس علم کے علما سے اپنی زندگی کے بنیادی فرائض و واجبات اور احکامات سیکھنے چاہئیں''۔

قرآنی احکام و عبادات اور تزکیۂ قلب و اَخلاق کی اہمیت

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’قرآن حکیم کے حوالے سے دوسری کوتاہی ہمارے ہاں یہ پائی جاتی ہے کہ شریعت کے احکامات سے ناواقفیت ہے۔ ہم اپنے اپنے شعبے کے قوانین تو جانتے ہیں۔ ڈاکٹر میڈیکل سائنس کے بنیادی اساسی اُصول جانتا ہے۔ انجینئر اپنے شعبے کے اُصول جانتا ہے۔ سوسائٹی کے جو نافذ العمل قوانین ہیں، اُن سے وکلا واقف ہیں، لیکن شریعت کے احکامات کیا ہیں، جو قومی اور بین الانسانی ہیں؟ ان سے ہمیں بالکل واقفیت نہیں۔ ایک مسلمان جو نبی اکرمؐ پر ایمان رکھتا ہے، اُس کا یہ اہم ترین فریضہ ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت سیکھنے کے بعد اس کے شرعی احکامات سے واقفیت حاصل کرے۔ شرعی احکامات وہ ہیں، جن کا واضح اور دوٹوک انداز میں اللہ اور اُس کے رسول نے حکم دے دیا۔ ہر مسلمان کو بالخصوص اپنے شعبے کے حوالے سے رسول اللہؐ کی ہدایات سیکھنا فرض ہے۔ ایک کاشت کار ہے تو زراعت کے اُصول، ایک تاجر ہے تو تجارت کے اُصول، ایک صنعت کار ہے تو صنعت کے اصول اور ضابطے نبی اکرمؐ نے کیا بیان فرمائے ہیں؟ یہ جاننا اُس پر لازمی ہے۔ جو بھی انسانی سوسائٹی کے کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہے، اُس پر لازمی ہے کہ وہ اپنے شعبے کے بنیادی شرعی مسائل جانتا ہو۔

قرآن حکیم کے حوالے سے تیسری بڑی کوتاہی ہمارے ہاں یہ ہے کہ ظاہری اور رسمی طور پر تو ہم شرعی احکامات و عبادات نماز، روزہ اور باقی کام بھی کر رہے ہوں گے، لیکن دل کی دنیا نہیں بدلتی۔ دل میں وہی حسد، وہی کینہ، وہی بغض، وہی بداَخلاقی، وہی غصہ، وہی نفرتیں، تو اگر دل صاف نہیں ہوا، اُس کا تزکیہ نہیں ہوا، تو نماز بھی پڑھی، روزہ بھی رکھا، حج بھی کیا، عبادات بھی کیں، تو دل کی حالت نہ بدلنے کے نتیجے میں وہ نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔ یہ تبھی ہوگا جب ہمارے اَخلاق درست ہوں گے۔ اگر اَخلاق درست نہیں ہیں، لیکن تلاوت بھی بہت کرلی، بہت خوش اِلحانی سے قراءت پڑھ بھی لی اور سن بھی لی۔ نماز بھی پڑھ لی۔ روزہ بھی رکھ لیا۔ حج بھی کرلیا۔ اَخلاق نہیں بدلے۔ دوسرے انسانوں کو نقصان پہنچانے کے جذبے میں کمی نہیں آئی، اصلاح نہیں ہوئی اور اعلیٰ اَخلاق پیدا نہیں ہوئے تو ہم نے قرآن حکیم کے اس تیسرے اہم ترین فریضے سے غفلت برتی۔

قرآن حکیم کے حوالے سے چوتھے فریضے سے تو سرے سے غفلت ہے۔ یعنی نبی اکرمؐ کے بتلائے ہوئے سیاسی، معاشی، سماجی اور اجتماعی نظام کے مطابق اپنا قومی اور بین الاقوامی نظام تشکیل دینا۔ اس حوالے سے سب سے بڑی غفلت یہ ہے کہ عام طور پر اس اجتماعی فریضے کو فریضہ بھی نہیں سمجھا جاتا۔ نماز روزے کو فرض سمجھیں گے۔ تلاوت کرنے کو اچھا سمجھیں گے۔ کوئی تصوف کے نام پر ذکراذکار وغیرہ کرنے کو اچھا سمجھیں گے کہ یہ اچھا کام ہے۔ اگرچہ خود نہ بھی کریں، ویسے اچھا سمجھیں گے۔ کوئی کرنے والا ہو تو اُس کی عزت وغیرہ بھی کریں گے، لیکن دین کے اجتماعی غلبے کا سیاسی اور معاشی نظام اور اُس کی اجتماعیت کی سوچ ہی ہمارے دماغوں سے نکل گئی۔ کرنا تو بعد کی بات ہے‘‘۔

مسلمانوں کی قرآن سے غفلت اور سرمایہ داری کے ہلاکت خیز نتائج

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

’’آج ہمیں سوچنا چاہیے کہ قرآن حکیم کے حوالے سے یہ چار چیزیں ہمارے ہاں کیوں نہیں رہیں؟ قرآن حکیم صحیح تلفظ کے ساتھ کیوں نہیں پڑھا جا رہا؟ شریعت کے احکامات کیوں نہیں معلوم؟ دلوں کا تزکیہ کیوں نہیں ہو رہا؟ اور ہمارے ملک میں ننانوے فی صد مسلمان ہونے کے باوجود مسلمانوں کا سیاسی نظام کیوں قائم نہیں ہو رہا؟ اس کو سمجھنا چاہیے۔ ان تمام خرابیوں کی جڑ اس دور کا سب سے بڑا سرمایہ پرستی کا بت ہے، جس کی بارگاہ میں سب سجدہ ریز ہیں۔ آج اللہ کے مقابلے میں پتھر کا شرک نہیں ہے، نہ کوئی قبر کا شرک ہے، نہ کسی اَور چیز کا ہے، آج اللہ کی توحید اور دین کے مقابلے پر سب سے بڑی بت پرستی 'سرمایہ پرستی' ہے۔ سرمائے کا بت ننگا ناچ رہا ہے۔ عالمی سرمایہ دار ہمارے جیسے چھوٹے ملکوں کو غلام رکھنے کے لیے، آزادی سے محروم رکھنے کے لیے ایک پورا عالمی نیٹ ورک بنائے ہوئے ہیں، جس کے ذریعے سے ہمیں غلام بنایا جا رہا ہے اور ہم اجتماعی طور پر خواہی نخواہی اس سرمایہ داری نظام کے آلہ کار بن رہے ہیں۔

کئی سو سالوں سے یہ عالمی سرمایہ داری نظام دنیا بھر پر مسلط ہوا ہے، بالخصوص اس برعظیم پاک و ہند میں دو سو سال براہِ راست اُس نے اس پورے ملک کو لوٹا۔ سرمایہ داری کا بانی ایڈم سمتھ لکھتا ہے کہ یورپین قوموں کو اب یہ لازمی اور ضروری ہے کہ دنیا بھر سے زر کھینچ کر اپنے پاس لائیں۔ دولت کا بہاؤ برطانیہ کی طرف ہونا چاہیے۔ یہ وہ بنیادی نظریہ تھا جس پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے عمل کیا اور اُس کے بعد برٹش شہنشاہیت نے عمل کیا۔ آج یہ بڑھتے بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گیا کہ بہ ظاہر ملکوں کو آزادی دے دی، لیکن جیسے دو سو سالہ دور میں برطانوی سامراج یہاں سے اپنی حکومتوں کے زمانے میں لوٹ کھسوٹ کرکے زر کھینچ رہا تھا، اپنے گورنروں اور انتظامی افسروں اور اسٹیبلشمنٹ کے ذریعے سے، آج بھی وہی کام سرمایہ دارانہ مافیاز کے ذریعے ہو رہا ہے۔

آج ہمیں سوچنا چاہیے کہ قرآن حکیم کے ساتھ تعلق کے نتیجے میں ہمارے اندر جو مثبت تبدیلی آنی چاہیے تھی، وہ تبدیلی عنقا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ ہم دنیا میں بھی ذلت کی حالت میں ہیں۔ قرآن سے دور ہیں، اُس کے اَخلاق اور کردار ہمارے اندر نہیں، اُس کے حوالے سے رویے نہیں بنے۔ بڑے سے بڑا نیک آدمی، بڑے سے بڑا عبادت گزار، بڑے سے بڑا تبلیغی، بڑے سے بڑا کسی پیر کا مرید ہو، لیکن اَخلاق اُس کے وہی ہیں، جو اس سرمایہ داری نظام کے ہیں۔ وہ اسی لوٹ کھسوٹ کے ساتھ شامل ہے۔ اسی کا حصہ دار ہے۔ اس لیے آج ہمیں اجتماعی توبہ کی ضرورت ہے۔ تمام کے تمام لوگوں کا اللہ کی طرف رجوع کرنا، قرآن کی تعلیمات سے وابستگی اختیار کرنا، آج کے دور کا بنیادی تقاضا ہے۔ غفلت میں پڑے رہے تو دنیا کا عذاب تو ہے ہی، آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس کا صحیح طور پر حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے‘‘۔ (آمین)

وفیات

حضرت حاجی یعقوب علیؒ کا سانحۂ ارتحال

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے چوتھے مسند نشین حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے مجاز حاجی یعقوب علیؒ (ہارون آباد) مختصر علالت کے بعد ۱۵ / ربیع الاوّل ۱۴۴۳ھ / 22 / اکتوبر 2021ء بروز جمعۃ المبارک کو بہاولپور کے ایک ہسپتال میں ارتحال فرما گئے۔ إنّا لِلّٰہِ و إنّا إلیہ راجعون، إنّا لِلّٰہِ ما أخذ و لہ ما أعطیٰ۔

آپؒ کی پیدائش ۱۳۵۸ھ / 1940ء کو ہندوستان کی مشہور ریاست بیکانیر کے ایک گاؤں ''گنگا رام'' میں ہوئی۔ آپؒ کے والدِ محترم کا اسمِ گرامی ''عبدالعزیز'' تھا، جو بہت دین دار اور پرہیزگار انسان تھے۔ 1947ء میں پاکستان بننے کے بعد ان کا خاندان ہارون آباد ضلع بہاول نگر کے قریب ایک گاؤں میں منتقل ہو گیا تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم، قرآنِ کریم ناظرہ اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ اس کے بعد ہارون آباد میں ۱۳۷۷ھ / 1958ء میں میٹرک پاس کیا اور پھر پاکستان نیوی میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران خدمات سرانجام دیتے ہوئے متعدد ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ اپنی ملازمت کے آخری دس سال اسلام آباد میں تعینات رہے۔ تقریباً 25 سال نیوی میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۴۰۶ھ / 1986ء میں ریٹائر ہوئے۔

حاجی صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: ''میں پہلے نماز روزے سے بہت دور اور بدعتی ماحول سے تعلق رکھتا تھا۔ داڑھی بھی منڈایا کرتا تھا۔ پھر دل میں بے چینی پیدا ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ کسی متبعِ سنت شیخ سے بیعت ہو جاؤں۔ ایسے کامل شیخ کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا، لیکن کہیں طبیعت نہ لگی''۔ آپؒ کے بڑے بھائی حاجی یوسف علی مرحوم کا بیعت کا تعلق دین پور ضلع بہاول نگر میں قائم خانقاہ کے تیسرے مسند نشین حضرت مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ) سے تھا۔ ۱۴۰۰ھ / 1980ء میں تعطیلات کے زمانے میں آپؒ ہارون آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ حاجی یعقوب علیؒ فرماتے ہیں کہ: ''ایک روز میرے بڑے بھائی حاجی یوسف علی نے فرمایا کہ دین پور شریف بہاولنگر میں ایک بزرگ ہیں، ان کے پاس چلتے ہیں۔ آپ کی طبیعت کو اُن سے مناسبت ہو تو بیعت ہو جانا، ورنہ واپس آ جائیں گے۔ پہلے تو میں نے انکار کیا، لیکن بھائی صاحب کے اِصرار پر اُن کے ساتھ دین پور آ گیا۔ حضرت بہاولنگریؒ نمازِ جمعہ کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو آپؒ کو دیکھتے ہی میرے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں اِنھیں بزرگ سے بیعت ہوں گا۔ نماز کے بعد میں نے حضرتؒ سے بیعت کی درخواست کی، جسے آپؒ نے قبول فرما لیا اور بیعت فرما کر اپنے حلقۂ خُدام میں شامل فرما لیا۔ بیعت کے بعد حضرتؒ کی دعا اور برکت سے میرے اندر بڑی تبدیلی پیدا ہوئی''۔ (سوانح حضرت مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ، ص: 222)

حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ نے آپؒ کو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ سے تعلق قائم رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح آپؒ نے عمر بھر حضرت اقدسؒ سے بہت گہرا تعلق رکھا۔ ایک دفعہ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ اسلام آباد میں حاجی صاحبؒ کے گھر قیام فرما تھے اور حضرت بہاولنگریؒ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے حاجی یعقوب علی کے نام ایک خط میں حضرت بہاولنگریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''آپ کا خط ملا، جس کا اشد انتظار تھا۔ غالباً آپ آفتابِ رُشد و ہدایت کی آغوش میں ہیں۔... بڑی خوشی کی بات ہے کہ آپ نے غوثِ وقت، معدنُ البرکات و الفُیوض، مَہبَطِ نورِ شریعت، ہادئ طریقت، شمسُ العارفین، سیّدُ السّالِکین، حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز صاحب جانشین خانقاہِ رحیمیہ —لا زالت شمسُ فیوضِہم بازِغۃ— کو مہمان بنا کر میزبانی کا شرف حاصل کیا، جو بہت مبارک ہے۔ بھائی یعقوب علی صاحب! آپ نے بہ قول حضرت سلطان باہوؒ گھر بیٹھے ہی حج کا شرف حاصل کر لیا۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں ؎

مرشد دا دیدار باہُو مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہُو

مرشد کی نگاہِ کرم ہزار سال کی نگاہِ بے ریا سے بہتر ہے''۔ (سوانح، ص: 139)

اس طرح حاجی صاحبؒ نے ایک طرف حضرت اقدس مولانا محمد یحییٰ بہاولنگریؒ سے ابتدائی طور پر سلوک کی منازل طے کیں اور فیوضات حاصل کیے تو دوسری طرف حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ کے فیوض و برکات سے بھی خوب مستفیض ہوئے۔ حضرت اقدس رائے پوری ثالثؒ کے وِصال (جون 1992ء) کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے بھی اُسی طرح بدستور تعلق رکھا اور پھر حضرت بہاولنگریؒ کے وصال (شعبان ۱۴۱۴ھ / جنوری 1994ء) کے بعد مستقل طور پر حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ سے فیوض و برکات حاصل کرتے رہے۔

حضرت بہاولنگریؒ نے ایک دفعہ حاجی یعقوب علیؒ سے فرمایا تھا: ''اگر آپ کو حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری کی کوئی بات سمجھ نہ آئے تو یہی سمجھنا کہ میرے دماغ کی کمزوری ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت اونچا مقام عطا فرمایا ہے''۔ اس کے بعد حاجی صاحبؒ نے حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ کی صحبت میں خوب وقت لگایا، حتیٰ کہ ہر رمضان میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپؒ بہت ذاکر و شاغل اور خانقاہِ رحیمیہ کے معمولات اور باطنی اَشغال کے بہت پابند تھے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے ۱۴۳۲ھ / 2011ء میں انھیں سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے فروغ کے لیے اجازت عنایت فرمائی۔ انھوں نے اپنے خاندان کے تمام بچوں کو سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور سے جوڑا۔ وہ ہمیشہ اپنے بیٹے حافظ شبیر علی اور دونوں صاحبزادیوں اور اُن کے بچوں کو حضرت اقدسؒ کے ساتھ نسبت قائم رکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے وصال (ستمبر 2012ء) کے بعد راقم سطور سے بھی وہی محبت اور سلسلے کا تعلق دل و جان سے قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور اُن کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل نصیب فرمائے اور اس سلسلے کے فیوض و برکات سے مستفیض فرمائے۔ (آمین!)

”حُجّةُ اللّٰہ البالِغہ“ کا مطالعہ

ہر ایک طالبِ علم کے لیے لازم ہونا چاہیے!

تحریر: اے آر کارنیلیس، مترجم: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ

(سابق چیف جسٹس پاکستان اے آر کارنیلیس نے گورنمنٹ کالج جہلم میں 28/ مارچ 1970ء کو سالانہ تقسیم اسناد کے موقع پر ایک خطاب کیا تھا، جسے ”پاکستان ٹائمز لاہور“ نے اپنی اشاعت مؤرخہ 29/ مارچ 1970ء میں شائع کیا تھا۔ مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ نے اس کا اُردو ترجمہ کر کے ”خدام الدین، لاہور“ میں شائع کیا تھا۔ اہمیت کے پیشِ نظر قارئینِ ”رحیمیہ“ کے لیے شائع کیا جا رہا ہے۔ مدیر)

”معاشرہ اس وقت تک پنپ نہیں سکتا، جب تک مذہب اور قانون کے ذریعے سے غیر صحت مند اور مضرّت رساں پیدائشی برتری کے احساس کو ختم نہیں کیا جاتا، جو معاشرے کے ایک بڑے حصے میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی اخوت کی روح کو اپنایا جائے، تاکہ افراد کی حقیقی قابلیت اور اُن کی سعی و کوشش کی جانچ کی جائے اور جو خدمات وہ سرانجام دیں، اُن کے منصفانہ معاوضے کا تعین کیا جائے۔ اور انسانیت کا احترام اس صورت میں کیا جائے کہ ہم دوسروں کی ویسی قدر و منزلت کریں، جو خود اپنے لیے چاہتے ہیں۔ ہم گلیوں اور بازاروں میں، ٹرینوں اور بسوں میں، دُکانوں میں، مدرسوں اور کالجوں میں اور کھیل کے میدانوں میں، غرض! جہاں کہیں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ طاقت ور لوگ کمزوروں کو اور ”اونچے“ درجے کے لوگ ”نچلے“ درجے کے لوگوں کو دبانے اور مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم یہ سب کچھ دیکھتے ہیں، مگر ہمارے بدن پر جوں تک نہیں رینگتی۔

ہم پر اس سلسلے میں جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کا جامع اور روح افزا بیان برعظیم پاک و ہند کے عظیم مفکر شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی مشہور کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں ملے گا۔ اگر اس ضخیم کتاب کا خلاصہ تیار کر کے اسے تمام طلبا کے لیے پڑھنا لازم کر دیا جائے تو یہ پاکستان کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اس کتاب کی تعلیمات کے ذریعے سے — جو کہ سادہ مگر دل نشین انداز میں بیان کی گئی ہیں — یہ سبق سکھایا جاتا ہے کہ تعلیم حاصل ہی اس لیے کی جاتی ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق کے احترام اور ان کی آزادی کے جذبے کو ترقی دی جائے۔ اور یہ معلوم ہو جائے کہ ہر ایک انسان مساوی احترام و دانش اور ضمیر کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ اور یہ کہ زکوٰۃ اور بیت المال کے نظامات سے ہر ایک مسکین اور محروم کا خوراک، لباس اور مکان حاصل کرنے کا حق ہے۔

یہ کتاب واضح طور پر اس اصول پر بڑا زور دیتی ہے کہ معاشرے کا حق فرد پر فائق ہے۔ فرد کے حقوق چاہے کتنے بھی بلند درجے کے کیوں نہ ہوں، معاشرے کا نظم و ضبط، مشترکہ مفاد اور بہبودِ عام افراد کے حقوق پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں نجی اور مجلسی زندگی میں پاکیزگی اور صفائی پر تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں اور اس سلسلے میں گھر اور خاندان کے ناموس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔“

بقیہ آدابِ گفتگو آپ اس کی بُرائی کو اس تک محدود رکھیں، اپنے رویے پر غالب نہ آنے دیں۔ کسی کے بُرا ہونے کا یہ اَثر ہم پر نہیں ہونا چاہیے کہ ہم بھی اپنی زبان کی سطح سے گر جائیں۔ وہی انسان پسندیدہ قرار پاتا ہے، جو نرمی اور سلیقہ مندی سے بات کرنے والا ہوتا ہے اور بہتر الفاظ کا چناؤ کرتا ہے۔ نیز دورانِ گفتگو اپنی اور دوسرے کی عزتِ نفس کا خیال رکھتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک اَور موقع پر ارشاد فرمایا کہ: ”مؤمن فحش گو نہیں ہوتا“ (رواہ بخاری)۔ خوش گفتار انسان کی تلخ بات کو بھی لوگ اس کے اچھے طرزِ تکلم کی وَجہ سے قبول اور برداشت کر لیتے ہیں، جب کہ ترش روئی، عناد اور نفرت کو جنم دیتی ہے۔ دعوتِ دین سے وابستہ لوگوں کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ سخت الفاظ یا بے جا قسم کی تنقید سے گریز کریں اور اختلافِ رائے بھی مہذب طریقے سے کیا جائے۔

بقیہ شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ آپؒ نے بغداد، موصل اور دوسرے کئی شہروں کا سفر کیا۔ ۶۰۳ھ/1206ء میں آپؒ قاہرہ گئے، جہاں شیخ کے افکار کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بنا پر آپؒ کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ ۶۰۷ھ/1210ء میں آپؒ نے قونیا کا سفر کیا۔ وہاں کے سلطان نے آپؒ کا شان دار استقبال کیا۔ قونیا میں آمد وہاں کے علمی حلقوں میں انقلاب کا سبب بنی، جس کا ذریعہ آپؒ کے شاگرد شیخ صدرالدین قونویؒ ہیں۔ صدر الدین، شیخ جلال الدین رومیؒ کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ صدرالدین قونویؒ نے شیخ کی دوسری اہم ترین تصنیف ”فُصوصُ الحِکم“ کی شرح لکھی، جو حرفِ آخر سمجھی جاتی ہے۔ ۶۲۰ھ/1223ء میں آپؒ نے دمشق کو اپنا وطن بنا لیا اور وہیں پر آپؒ نے ۲۸/ ربیع الثانی ۶۳۸ھ/1240ء کو وفات پائی اور جبلِ قاسیون کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

بقیہ عالمی سماجی ڈھانچے کا تقاضائے تشکیلِ نو

آج کا سماجی ڈھانچہ انسانی زندگی میں آسانیاں پیدا کرنے کے بجائے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑ رہا ہے۔ چہ جائے کہ عام آدمی کو اس کی دہلیز پر اس کے حقوق فراہم ہوتے، وہ بے چارہ در بدر کی ٹھوکریں کھا رہا ہے اور کوئی اس کا پُرسانِ حال نہیں ہے۔ لہٰذا آج کے سماجی نظام کا ایک ایسے نظامِ سیاست و معیشت کے ساتھ تبدیل ہونا وقت کا تقاضا ہے، جو نہ صرف کمزور انسانوں کا پشتی بان ہو، بلکہ عام انسانوں کے حقوق پورے کرے، ان کی عزتِ نفس کی حفاظت کرتے ہوئے اُنھیں پُروقار اور خوددار بنائے، بلکہ ان کے اندر جذبۂ حریت کو بھی ہمیشہ بیدار رکھے۔ حضور اکرم ﷺ کے عہد کے علاوہ خلفائے کرام کے اَدوار میں بھی ایسا سماجی ڈھانچہ برقرار رہا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ نظام دنیا میں چودہ سو سال تک انسانیت کی خدمت کرتا رہا۔ جو لوگ آج حدیث کا انکار کرتے ہیں، اس کے پیچھے ان کا ڈر اور خوف بھی ہے کہ جن حکمرانوں کا وہ ساتھ دیتے ہیں، ان کا رویہ فرعون، نمرود اور شداد سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا اس کے بعد ان کی حمایت کا جواز ختم ہو جاتا۔ جب کہ آپ ﷺ کا بہ طور ایک سربراہِ ریاست کے عملی نمونہ ایسا شاہ کار ہے کہ انسانی تاریخ آج تک اس کے پائے کی ایک بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

خوش خبری

ادارہ رحیمیہ لاہور میں
17 روزہ ''دورۂ تفسیر قرآن حکیم'' کا انعقاد

گزشتہ سالوں کے معمول کے مطابق اس سال بھی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کے زیرِ نگرانی 17 روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد کیا جا رہا ہے، جس کی تفصیلات درجِ ذیل ہیں:

آغاز: 24/دسمبر 2021ء/ ۱۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۳ھ بروز جمعہ

اختتام: 9/جنوری 2022ء/ ۵/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۳ھ بروز اتوار

اس دورۂ تفسیر قرآنِ حکیم میں:

1۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصولِ تفسیر
2۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے اُسلوبِ تفسیر
3۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے تفسیری نکات کی روشنی میں قرآنی علوم و معارف کا بیان ہوگا۔

خصوصیات دورۂ تفسیر قرآن حکیم

اس دورۂ تفسیر کی خصوصیات درجِ ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم کی سورتوں کے مضامین کا جامع خلاصہ اور اس کے اہم نکات کا بیان
☆ شریعت کے حوالے سے اہم قرآنی موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام
☆ اَخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کے لیے دینی اور روحانی ماحول
☆ قرآن حکیم کے بیان کردہ سیاسی، سماجی، معاشی اصولوں کی نشان دہی
☆ دورِ حاضر کے اہم عمرانی مسائل کے حوالے سے قرآنی افکار سے متعلق آگہی

اس دورۂ تفسیر میں شرکا کی رہنمائی کے لیے ملک بھر کے چنیدہ مفتیانِ کرام، دانشورانِ عظام، پروفیسرز اور ڈاکٹرز حضرات قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیں گے۔ موسمِ سرما کی تعطیلات میں دینی مدارس، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز کے طلبا اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے بڑا موقع ہے کہ وہ اس دورۂ تفسیر سے بھرپور استفادہ کریں۔

اس دورۂ تفسیر میں شرائط کے مطابق داخلہ لے کر قرآنی فکر و شعور سے آگہی حاصل کریں۔ دینی تقاضوں کی تکمیل کے لیے روحانی، اَخلاقی اور اجتماعی تربیت کے حوالے سے دینی ماحول کے اس اہم موقع سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

نوٹ: اس دورۂ تفسیر میں شریک ہونے والے احباب اپنی آمد سے قبل ادارہ رحیمیہ لاہور کی انتظامیہ کو ضرور مطلع کریں، تاکہ انتظامات میں آسانی ہو۔

حافظ محمد شفیق (ناظم دفتر ادارہ) رابطہ نمبر: 0321-6455369

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال آج کل اکثر لوگ اپنے بڑوں کی قبروں میں میت دفناتے ہیں۔ جیسے ایک شخص نے وصیت کی کہ میں مر جاؤں تو مجھے میری بیوی کی قبر میں دفنانا، جو پہلے انتقال کر چکی تھی۔ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ سائل محمد طارق بٹ رائل پارک، لاہور

جواب بلا عذرِ حق شرعی تدفین کے بعد قبر کا نبش (کھولنا) درست نہیں، لہٰذا اپنے بڑوں کی قبریں کھول کر اس میں تدفین یا اس کی وصیت کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اپنی بیوی کی قبر میں تدفین کی وصیت کرنا بھی ناجائز ہے۔ ویسے بھی بیوی کی وفات سے خاوند کا رشتۂ نکاح منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔

سوال مشترکہ کاروبار، جس میں دو حصے دار برابر کے سرمایہ کار ہوں اور برابر کی محنت بھی کر رہے ہوں تو اگر ایسے کاروبار سے ایک شراکت دار وقتاً فوقتاً سرمایہ نکال کر اپنے کسی اَور ذاتی کاروبار کی وقتی ضرورت پوری کرے اور کبھی واپس کر دے اور کبھی نہ کرے، اور اپنے کھاتے میں لکھوا لے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ سائل: محمد خورشید

جواب صورتِ مسئولہ میں مشترکہ کاروبار کے اموال و سرمائے میں تغیر و تبدل یا صرف ایک شریک کا اپنے ذاتی نفع کے لیے رقم یا سرمایہ نکالنے کی صورت میں دوسرے فریق کی اجازت و رضامندی ضروری ہے اور دونوں کو حساب و کتاب بھی رکھنا ہوگا۔ اگر دوسرے فریق کی لاعلمی یا عدمِ رضا پر جو تغیر و تبدل پہلے فریق نے کیا، تو وہ اس کا ضامن ہوگا، یعنی اس کی واپسی لازمی ہوگی۔ (کذا فی فتاویٰ عالمگیریہ، وہدایہ: کتاب الشرکہ، ج:4، ص:31)

بقیہ پاکستانی سیاست میں شدت پسند جماعتوں کے اسباب اور ان کا مستقبل!

ان جماعتوں کے فروغ میں ایک اہم فیکٹر ملک کی داخلی سیاسی حکمتِ عملی بھی ہے، جس میں سیاسی جماعتوں کے اثر و رسوخ کو چیلنج کرنے والی قوتیں الیکشن کے نتائج کو اپنے حق میں متوازن رکھنے کے لیے ایسی جماعتوں کی درپردہ سرپرستی کرتی ہیں۔ ان کے لیے ان کی الیکشن کی کارکردگی، سیٹیں حاصل کرنے اور جیتنے سے زیادہ ان کے ووٹ بینک کے ذریعے سے ووٹوں کو تقسیم کر کے اپنی ناپسندیدہ قوتوں کو ہرانے کے حوالے سے زیادہ اہم شمار کی جاتی ہے۔ ایسی جماعتوں کا پورے تسلسل کے ساتھ وقفے وقفے سے پیدا ہوتے رہنا ہمارے قومی شعور کے سلب ہونے کی علامت کے طور پر سمجھا جانا چاہیے۔ کسی معاشرے میں ایسی تحریکوں کی موجودگی اس کے سیاسی شعور کی نفی ہوتی ہے کہ جہاں لوگ کسی نصب العین کے بجائے نعروں اور لیڈرشپ کی شخصیات کی اندھی عقیدت پر مرنے مارنے پر اُتر آتے ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ دینِ اسلام کے جامع پروگرام کے تعارُف کے ذریعے ایک حقیقی قومی جماعت کی راہ ہموار کی جائے، جو قوم کو اس دلدل سے نکال کر قومی ترقی کا راستہ دکھا سکے۔ (مدیر)

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔